بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(۱)

اِدھر دو سال سے تحریکِ اقامتِ دین کے عوامی دور کا آغاز کرنے کے بعد سے اپنی ملت کے مختلف عناصر کو قریب سے دیکھنے کا جو موقع ملا ہے، اس کے دوران میں نہایت تلخ حقائق سامنے آئے ہیں، وہ حقائق جن کا علم اب تک ہوا ہے، ان کے پیشِ نظر اندازہ ہوتا ہے کہ بحیثیت قوم ہم اگر بچے ہوئے ہیں تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

اس وقت ہمارے مختلف عناصر کے اندر نہایت مہلک قسم کے ذہنی و اخلاقی روگ پھیل چکے ہیں جو اندر ہی اندر ہماری اجتماعی قوت کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں، پھر ان روگوں کی چھوت ایک سے دوسرے کو لگتی رہتی ہے، اور ہمارے کتنے ہی قیمتی افراد ہیں جو بیماریوں کا سرچشمہ بن چکے ہیں، اور اپنے گرد و پیش منتقل کرتے اور معاشرے میں پھیلاتے چلے جا رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے ذہنی و اخلاقی امراض جسمانی امراض سے زیادہ تباہ کن ہیں اور یہ اس سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں جتنی توجہ ہم ملیریا، چیچک اور تپِ دق وغیرہ پر صرف کر رہے ہیں۔ ان جسمانی وباؤں سے ملت کے افراد پر تباہی وارد ہوتی ہے، لیکن جن نفسیاتی و سوشل بیماریوں کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں، وہ اس نوعیت کی ہیں کہ قوموں اور ملتوں کو لے بیٹھتی ہیں۔

آج کی صحبت میں ہم ان مختلف امراض کے تذکرے کا آغاز کر رہے ہیں جنہوں نے ہمارے اکابر اور عوام میں ایک بڑی تعداد کو اپنے پنجوں میں دبوچ رکھا ہے۔ امراض کے ساتھ مریضوں کا تذکرہ ناگزیر ہے لیکن اس تذکرے سے جہاں ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کچھ لوگوں کو چھیڑا اور چڑایا جائے، وہاں متعلقہ افراد و عناصر کو بھی حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے اصل حقائق پر غور کرنا چاہیے، اور ان کی اصلاح کے لئے فکرمند ہونا چاہیے ——— نہ کہ یہ کہ علامات و اسبابِ مرض کا تجزیہ کرنے پر محض اس وجہ سے

اشتعال دکھایا جائے۔ کہ کیوں اس تجزیے نے ایک چھپے مرض کو واضح کر دیا اور صحت و تنومندی کے جھوٹے زعم کی قلعی کیوں کھول دی۔ آخر غور کیجئے کہ اگر سِل کے مادے سے متاثر شدہ مریض کو کوئی شخص مختلف علامات سے استدلال کر کے بروقت متنبہ کر دے۔ کہ تمہیں اپنے علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے تو یہ اشارہ کوئی گالی تو نہیں کہ اس پر برا منایا جائے۔ بلکہ یہ سچی خیر خواہی ہے۔ بالکل اسی طرح ہم یہ سطور پورے خیر خواہانہ جذبے سے سپردِ قلم کر رہے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان حقائق کے واضح ہونے پر رنجیدہ ہو جن کو ہم عرض کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے صبر کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

درحقیقت جن مفاسد کا ہمیں تذکرہ کرنا ہے وہ خود تحریک اقامت دین کی راہ میں ایک مستقل رکاوٹ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ غور فرمائیے کہ کیا ایک سلطنت اپنی فوج کو دشمنوں کے مقابلے کے لئے مضبوط تر بنانے کا پروگرام سامنے رکھنے کے بعد عوام کی صحت سے غفلت برت سکتی ہے۔؟ ——— یقیناً نہیں! تو بالکل اسی طرح اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اگر ہم دنیا کے ہر کلمۂ کفر و شرک کے خلاف علمِ جنگ بلند کر رہے ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے سرفروشانِ حق کی ایک سپاہ کو منظم کرنے میں مصروف ہیں۔ تو ہمارے فرائض میں یہ بات بھی بنیادی طور پر داخل ہے کہ ہم اپنی ملت کی ذہنی، نفسیاتی اور معاشرتی و اخلاقی صحت کے معیار کو ترقی دینے کی سعی کریں، پھر یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ اگر کسی ملت کے اجتماعی، اخلاقی ماحول میں چند وبائیں پھوٹ پڑی ہوں، وہاں اگر ان وباؤں کی روک تھام کی تدابیر اختیار نہ کی جائیں تو بڑے سے بڑا ڈاکٹر اور طبیب اور مضبوط سے مضبوط پہلوان بھی زیادہ دیر تک اپنے آپ کو ان وباؤں سے نہیں بچا سکتا۔ خود ہماری اپنی ذہنی و اخلاقی صحت کا دارومدار بھی اسی پر ہے کہ ہم اپنے ماحول کی تطہیر سے غافل نہ ہوں۔

ہم اس حقیقت کا بھی شدید احساس رکھتے ہیں۔ کہ جن امراض پر ہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں، ان امراض کو اپنے اندر پال کر ہم ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ایک مملکت کو ترقی کی راہ پر لے چلنے کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آزادی کا آفتاب طلوع ہو گیا، لیکن ہماری ذہنی و روحانی دنیا میں ابھی وہ ساری تاریکیاں اطمینان سے ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں جنہوں نے

غلامی کی رات کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ یہ تاریکیاں گویا یخ بستہ ہو چکی ہیں، اور اب ان کو بڑی محنت سے کھرچ کھرچ کر کے ضمیروں سے الگ کرنا پڑے گا!

ہمارے ملک میں ایک بہت بڑا گروہ ایسے لوگوں کا پایا جاتا ہے، جو یقین و عزم کے جوہرِ حیات افزا سے بالکل محروم ہو چکا ہے —— حالانکہ اس جوہر کے بغیر اجتماعی زندگی کا استحکام کبھی ممکن نہیں ہوا۔ اس ضروری جوہر کو گنوا دینے کے بعد یہ گروہ ایک انتہائی "قنوطیت" کے خطرناک مرض کا شکار بن چکا ہے۔ اس مرض کا خاصہ ہے کہ یہ جب رُونما ہو جاتا ہے تو مریض میں کسل، ضعف، ناکارہ پن اور وہن کے آثار ابھر آتے ہیں۔ صبح و شام گردش کرتے ہیں، لیکن قنوطیت کے مریض کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تاریخ کے ورق الٹتے چلتے ہیں لیکن "اہلِ یاس" کے اندر کوئی حرکت نمودار نہیں ہوتی۔ فرائض پکارتے ہیں اور ذمہ داریاں بلاتی ہیں لیکن متاعِ یقین و عزم کو کھو بیٹھنے والوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی! انقلاب کے قافلے جرس بجاتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرتے ہیں، لیکن ان کی رگوں کا خون بدستور منجمد رہتا ہے۔ ذلتیں، نکبتیں اور مصیبتیں ان کو جھنجھوڑ کے اٹھاتی ہیں، لیکن ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں!

ایسا ایک کثیر التعداد گروہ ہمارے درمیان موجود ہے۔ اس گروہ کے قنوطیت زدہ افراد باطل کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہیں اور ان پر کڑھتے بھی ہیں، لیکن اصلاح کی کسی تدبیر کے کامیاب ہونے کا ان کو یقین نہیں۔ حق کو حق مانتے ہیں اور شاید دلوں میں اس کے غلبے کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں لیکن یہ توفیق نہیں کہ حق کی پکار پر اٹھ کھڑے ہوں اور اپنی قوتوں کی پونجی اس راہ میں لگا دیں۔ ان کو جب کبھی دعوتِ کار دی جاتی ہے، تو "بات ٹھیک ہے" کہہ کر پھر حالات کی ناسازگاری اور لوگوں کی نااہلیت کا رونا رونے لگ جاتے ہیں۔ ہر دعوتِ حرکت کے مقابلے میں ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ بس اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

مختصر یہ کہ قنوطی گروہ نہ صرف یہ کہ خود ہی مردانگی کو ایک مرتبہ رو پیٹ چکا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی مایوسی کی چھوت لگانے میں سرگرمِ عمل ہے۔

ہمارے "مریضانِ قنوطیت" کی چند اقسام ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی علامات اور ہر ایک کے

اسباب مرض جُداگانہ ہیں۔ ان کی مختلف اقسام کا الگ الگ تذکرہ کئے بغیر بات نہ کھُلے گی۔

"مریضانِ قنوطیت" میں سے انتہائی خطرناک حالت تو اس گروہ کی ہے جو اپنے آپ سے مایوس ہے تو اس وجہ سے ہے کہ وہ خدا اور اسلام ہی سے مایوس ہو چکا ہے۔ اس گروہ کا مرض قریب قریب لاعلاج ہے، اِلّا ماشاء اللہ!

اس طبقۂ اولیٰ کی بیماری کی جڑ یہ ہے کہ زبان سے خدا اور اس کے دین کو ماننے کے باوجود اور مسلمانوں کی سوسائٹی سے تعلق رکھنے کے باوجود اس کو خدا کے وجود ہی میں شک ہے۔ پھر اگر خدا کے وجود کا کوئی رسمی تصور ہے بھی تو اُس کی صفات پر شعوری ایمان تو بہرحال باقی نہیں ہے۔ یُوں سمجھیئے کہ ہمارے ہزار دل بھائی ایسے ہیں جو سرے سے یہ احساس رکھتے ہی نہیں کہ کوئی ایسی ہستی کائنات کی خالق و ناظم ہے جو باختیار ہے، جو عادل ہے، جو تقدیر ساز ہے، جو جزا و سزا دینے والی ہے، جو انسان کے لئے حق کی راہوں پر چلنے میں حامی و ناصر ہے، جو قربانیوں کو ضائع جانے نہیں دیتی، جس نے کوئی اخلاقی ضابطے اور تمدنی قوانین بنائے ہیں، جس کی ہدایت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے، جس کے وعدوں پر یقین قائم ہو سکتا ہے۔ اور جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

ان حضرات کے ذہن اندر سے فلسفۂ الحاد کے سامنے مفتوح ہو چکے ہیں، چنانچہ خدا کے متعلق صحیح عقیدے کے برقرار نہ رہنے کی وجہ سے ان کے دلوں کی گہری تہوں میں "اسلام" سے بھی پوری پوری مایوسی اور بددلی پیدا ہو چکی ہے۔ یہ لوگ "اسلام زندہ باد" بھی پکارتے ہیں، نماز روزہ بھی کر لیتے ہیں، نبی صلعم اور قرآن سے وابستگی کا اظہار کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کرتے، لیکن ان کی رُوحیں اسلام کے منزّل من اللہ ہونے کا یقین کھو چکی ہیں، یہ اسے تیرہ سو سال پہلے کا وقتی دین سمجھتے ہیں۔ اور دورِ حاضر میں اس کے احیاء اور اس کے چل نکلنے کے بارے میں پوری طرح بدگمان ہیں۔ پھر ستم یہ کہ ان کو یہ بھی بھروسہ نہیں ہے کہ اگر اقامتِ دین کی جدوجہد میں یہ جان و مال سے کوئی حصہ لیں تو ان کی کارگزاریوں کا صلہ دینے والا کوئی موجود ہے جس کے پاس بیکراں خزانے ہیں۔ مگر ان کے سامنے ہر طرف تاریکی ہی

تاریکی ہے!

اس گروہ کے نزدیک ہر وہ اصول و نظام جو غالب ہو گیا ہو، اس کے سامنے بلا تامل چین سے بیٹھے چلے جانا اور ہر وہ ٹولی جو اقتدار پر قابض ہو گئی ہو اس کی رکاب تھام کر چلنا ہی بہترین مسلک حیات ہے!

چنانچہ جہاں تک باطل اصولوں اور غیر اسلامی نظاموں کے قائم کرنے اور چلانے کا تعلق ہے، یہ حضرات کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ ہر نظام کفر و شرک اور ہر تہذیب فسق و فجور کے کامیابی سے چل نکلنے کو ممکن تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور ان کے قیام کیلئے جد و جہد کرنے والوں کی ہمنوائی کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کرتے لیکن جہاں سوال اسلام کے اصول و نظام کا آیا، بیچارے "اُوں، آں" کرنے کے سوا اور کسی قسم کا جذبہ دکھانے پر قادر نہیں ہوتے۔

یہ حضرات نہایت دیدہ دلیری سے مسلمان کہلا کر یہ بھی کہہ گزرتے ہیں کہ اسلام صرف آخرت کے لئے تھا! کبھی کہتے ہیں اسلام کی ماہیت ہی آج تک مشتبہ ہے تو اسے لے کے چلنا کیا معنی! کبھی فرمائیں گے کہ اسلام کے بارے میں فرقی اور گروہی اختلافات اتنے کثیر ہیں کہ جہاں نظام اسلامی کے قیام کا سوال چھیڑا، باہم اختلافات کا طوفان اٹھ کھڑا ہو گا، لہٰذا اس مشترک ورثے کو لپیٹا ہی پڑے رہنا چاہیے۔ کبھی ارشاد ہو گا کہ آجکل دین کو مانتا کون ہے؟ سب کو اپنی دنیا بنانے کی پڑی ہے —— الغرض یہ کسی طرح اپنی قوتوں کی کوئی رمق اسلام کے غلبے کے لئے صرف کرنے پر تیار نہ ہو سکیں گے۔

اس طبقے کو تو اسلام کے ان بنیادی عقیدوں کے دعوت دینے کی ضرورت ہے جن کو غیر مسلموں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کوشش کے نتائج کے ظہور کا انتظار کرنے کی ہمت جٹنی چاہیے۔ ان بیچاروں کی بالکل وہ حالت ہے (لا تشبیہاً) جسے قرآن نے "لا مولیٰ لھم" کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اور یہ حالت اس حالت کے بالکل برعکس ہے جسے قرآن نے "اللّٰہُ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور" کہہ کر پیش کیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی قابل رحم حالت ہے۔ جس پر ہر سچے مسلمان کو عملی ہمدردی کا ثبوت دینا چاہیے۔ یہ ایک کارواں

ہے جس کی مشعل گل ہوچکی ہے۔ اور جو غول بیابانی کے نرغے میں گھرا ہوا نامک ٹوئیے مارتا پھرتا ہے لیکن اس کی دشت نوردیوں کی کوئی منزل نہیں، بلکہ ان دشت نوردیوں کا حاصل صرف تکان ہے!

جو بدنصیب "ایمان باللہ" کے محور سے ہٹ گیا، اس کا آغاز بھی یاس و نومیدی ہے، اور اس کا آخر بھی یاس و نومیدی ہے۔ وہ محرومی کی منزل سے چلتا ہے، اور عمر بھر کے سفر کے بعد محرومی ہی کی منزل پر پہنچتا ہے ——— اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبِّیْ!

اس گروہ کے خوش بخت ترین افراد وہ ہیں جو خدا اور اس کے دین پر اپنا ایمان بالکل تو نہیں کھو بیٹھے لیکن اپنی سیاہ کارگذاریوں کے پیش نظر اپنے خدا سے اور اس کے دین سے بدگمان ہیں۔ چنانچہ ان کو خدا اور دین سے ملتا بھی وہی کچھ ہے جس کی یہ توقع رکھتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ ارشاد نبوی صلعم مروی ہے کہ یقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی۔ یعنی میرا معاملہ اپنے بندوں سے ویسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ وہ مجھ سے توقع رکھتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کے دین سے سوئے ظن رکھنے والوں کے پلّے نامرادی اور قنوطیت کے سوا اور کچھ نہیں پڑتا اور اس طرح ان کی نامرادی اور قنوطیت میں اور اضافہ ہوتا رہتا ہے، وہی بات کہ

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔

ان کے دلوں میں بیماری ہے، پھر اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا!

اس طرح کے لوگوں کی گرہ کشائی کی واحد صورت یہ ہے۔ کہ ان کو اللہ سے اور اس کے دین سے اپنا معاملہ درست کرنے پر آمادہ کیا جائے، تا آنکہ یہ غیر شعوری ایمان سے نکل کر شعوری ایمان کی طرف آئیں، یہ دورنگی کو چھوڑ کر یک رنگی اور ضعیت اختیار کریں، یہ نفاق اور تضاد کی آلائشوں سے ضمیروں کو پاک کریں، یہ خدا کے مقابلے میں چالیں چلنے سے باز آجائیں اور اس کے احکام و قوانین کا اپنے عمل سے مذاق اڑانا چھوڑ دیں۔ ان کا مرض نسبتاً زیادہ جلد علاج پذیر ہو سکتا ہے۔

دوسرا گروہ مایوسین جو سوسائٹی میں پھیلا ہوا ہے، ان لوگوں پر مشتمل ہے۔ جو میدان سیاست

میں اپنا کھیل ہار بیٹھا ہے۔ ایک جواری کی طرح جو ایک بازی میں اپنا سب کچھ داؤں میں لگا دینے کے بعد گھنٹوں مہروں کو حرکت دیتے دیتے یکایک جب دیکھتا ہے کہ حریف نے بازی جیت لی تو اس کی ساری خیالی جنتیں دھڑام سے زمین پر آ رہتی ہیں۔ زمیں آسماں بنتے بنتے وہ آناً فاناً کنگال ہو کے رہ جاتا ہے۔ ہمارے وہ برادران بھی جو سیاسیات سے بددل ہو کر قنوطیت کی انتہائی حالت میں مبتلا ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اور اپنے مال بساطِ سیاست پر رکھ کر سالہا سال تک مہرے لڑائے۔ اور جب فیصلہ کی گھڑی آئی، تو انہوں نے یہ دیکھا کہ کھیل اس نتیجہ پر ختم ہوا کہ ان کا حریف ان کی ساری متاع کو لے اڑا ہے، درحقیقت یہ حالات مضمحل کر دینے والے ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اب ان حضرات میں یہ حوصلہ نہیں رہا کہ وہ اپنے کھیلے ہوئے کھیل پر تنقیدی نگاہ ڈالیں اور نئے سرے سے بہتر خطوط پر دوبارہ جدوجہد کریں۔

اس طرح سیاسی بازی ہارنے والوں میں بالخصوص یہ بیماری پیدا ہو جایا کرتی ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کا سارا بار دوسروں کے کندھوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ثابت یہ کرتے ہیں کہ لوگ نااہل تھے اور حالات ہی ایسے آ پڑے تھے کہ ہم کچھ نہ کر سکے، ورنہ خود ہمارے اندر کوئی کوتاہی نہ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے غالب حریف کے دربار میں اعترافِ شکست کرنے اس کے اقتدار کے پاسبان تک بننے پر اتر آتے ہیں۔ اور ایک وقت آتا ہے کہ اصلاح کی کوششوں کو روکنے میں ایسے ہی لوگ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ کیونکہ قنوطی گڑھا ہے، تو گہرا ہی چلا جاتا ہے۔ اور اس کے گرنے کی کوئی حد نہیں ہوتی، الا یہ کہ اسے بروقت امداد بہم پہنچ جائے۔

ٹھیک یہی بیماری ان تمام لوگوں میں کسی نہ کسی درجہ میں جڑیں چھوڑ رہی ہے جو تقسیمِ ہند سے پہلے سیاست کی جنگاہ کے بڑے بڑے علمبردار ہوتے تھے، اور اپنے اپنے مورچوں سے دادِ شجاعت دے رہے تھے لیکن تقسیمِ ہند نے ان کے نظریہ و اصول، ان کے مسلک اور ان کے طرزِ سیاست کو بالکل ختم کر دیا۔

یہ کتنا عبرتناک منظر ہے کہ بہت سے ذہین لوگوں کی ذہانتیں، بہت سے اربابِ بصیرت

کی صبیر تیں، بہت سے جوانمردوں کے عزائم، بہت سے سیاسی مجاہدوں کی عمروں کی قربانیاں اپنی قیمت کھو چکی ہیں۔ اور دوسری طرف وہ لوگ جو ان کے سامنے طفل مکتب بھی نہ تھے، جنہوں نے کوئی قربانیاں نہیں دی ہیں، جنہوں نے کوئی لمبی کشمکش نہیں کی ہے، وہ آج سربراہ کاری کے نشۂ پندار سے بدمست ہیں۔ جوتنے اور بونے کی محنت کرنے میں اور لوگ لگے رہے اور فصل کاٹ کے لے گیا کوئی اور!

اب ان کا کہنا یہی ہے کہ عوام اس قابل نہیں ہیں کہ کسی اچھے مقصد کے لئے کسی ٹھوس پروگرام پر چل سکیں۔ لہٰذا بہترین مسلک تو یہی ہو سکتا ہے کہ سیاست و تمدن کی گاڑی جدھر بھی چلتی ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

واقعہ یہ نہیں ہے!

ہم اپنے ان بھائیوں کی خدمت میں جو مختلف محاذوں پر لڑتے لڑتے اس انجام کو پہنچے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے اپنے ہتھیار رکھوا کر "صاحبِ فراش" ہو جائیں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آپ خدا را سنجیدگی سے اپنے سیاسی جہاد کی تاریخ کا جائزہ لیجیے! یقین جانیئے کہ اگر کسی گروہ نے کوئی صحیح اصول اور صحیح مقصد اختیار کیا ہو تو کوئی "تقسیم" اس اصول و مقصد کی قدر و قیمت کو ختم نہیں کر سکتی۔ اور کوئی مجاہد حق کے موقف پر کھڑا ہو کر باطل سے نبرد آزما ہو رہا ہو تو اسے جان دینے پر بھی کبھی شکست نہیں ہوا کرتی۔ آپ اسے تسلیم کریں گے کہ اسی دنیا میں وہ مقدس ہستیاں بھی گذری ہیں کہ جو اس حالت میں بھی اپنے حریفوں کے مقابلے میں فاتح تھیں جبکہ ان کے سر دن پلندوں سے چل گئے جبکہ ان کی گردنوں میں پھانسی کے پھندے ڈالے گئے جبکہ اُن کو آگ کے الاؤ کے حوالے کیا گیا اور جبکہ ان کو کوڑے لگائے گئے اور ان کے چہروں پر سیاہی لیپ کر ان کو مجرموں کی طرح کوچہ و بازار میں پھرایا گیا۔ یہ حضرات صرف وہ بازی جیتے ہیں جس میں جان ہے۔ ان کی ساری متاعِ حیات کھپ گئی لیکن ان کا معیار بازی جیت کے ان کے سامنے سے کبھی نہ اٹھا۔ انہوں نے جو جنگ لڑی اس میں نہ پیٹھ دکھانے پر تیار ہوتے۔ نہ اپنے ہتھیار رکھوا کر انہوں نے دشمن کے حوالے کئے کہ لو اب ہمیں لونڈی غلام بنا لو!

دنیا میں ناکامی صرف ان کے لئے ہوتی ہے۔ جو کسی اہل حقیقت اور کسی مثبت قدر رکھنے والے مقصد کو لے کے نہیں اٹھتے۔ بلکہ ان وقتی مقاصد پر جان و مال کی بازی لگا دیتے ہیں جن کی اہمیت آج ہوتی ہے۔ تو کل نہیں ہوتی۔ جن کی قدر ایک جغرافی خط کے اس طرف ہوتی ہے۔ اس طرف نہیں ہوتی۔ اور جن سے عوام ایک حال میں دلچسپی لیتے ہیں۔ دوسرے حال میں نہیں لیتے۔ اس طرح کے مقاصد کی جنگ میں جب فتح ہوتی ہے۔ اسے عارضی فتح ہوتی ہے۔ اور جب شکست ہوتی ہے وہ لازماً مایوسی و نامرادی کے غار میں جا گرتا ہے۔ ایسے مقاصد کے لئے کشمکش کر کے ناکام ہونے والوں کا بھی اور ——— بظاہر کامیاب ہونے والوں کا بھی ——— بالآخر انجام ویسا ہی ہوتا ہے جس کو کتاب اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"فمثله كمثل صفوان عليه تراب فأصابه وابل فتركه صلدا لا يقدرون على شيء مما كسبوا۔

سو اس کی مثال ایسی ہے، جیسے صاف پتھر ہو اس پر مٹی (کی تہ) سو پھر اس پر برسے زور کا مینہ، اور اسے چٹیل کر کے چھوڑ جائے

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں واضح فرمایا ہے:۔

وقدمنا إلى ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا

اور ہم نے آلیا ان کی ہم سرگرمیوں کو جو انہوں نے سرانجام دی تھیں، اور پھر اسے غبار پریشاں بنا دیا۔

پس آج اگر آپ یہ دیکھ رہے ہیں۔ کہ آپ کی کشت کاریوں کا کوئی حاصل نہیں تو مایوس ہو کر بیٹھ رہنے کی بجائے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ایسا کیوں ہوا؟ ——— کہیں آپ نے اپنی جھولیوں میں گھٹیا مقاصد کے بیج تو نہیں ڈالے تھے؟ اور کہیں آپ نے چٹیل زمین پر بیج تو نہیں بکھیر دیا تھا؟

کاشت کاران حق جو کلمۃ اللہ کا بیج جھولیوں میں ڈال کے نکلتے ہیں وہ لمبی محنت کر کے

بحالی کرتے ہیں۔ وہ کھیتی کو اپنی ہڈیوں کے چُورنے کی کھاد دیتے ہیں، اور اپنے خونِ دل سے سیراب کرتے ہیں لیکن ان کی ہمیشہ زندہ رہنے والی رُوحیں کبھی اس سوءِ ظن میں مبتلا نہیں ہوتیں کہ ان کے بوئے ہوئے بیج مر سکتے ہیں، ان کی کھپائی ہوئی محنت رائیگاں جا سکتی ہے اور ان کی جانفشانیوں کا انجام نومیدی و نامرادی ہو سکتا ہے۔ بلکہ جب وہ بیج بو رہے ہوتے ہیں۔ تو ان کی نگاہ ان چمن زاروں اور گلستانوں پر بھی ہوتی ہے جو اس تخم ریزی کے نتیجے میں بہت آگے چل کے نمودار ہونے والے ہوتے ہیں۔

ضرورت صرف اس بات کی ہوتی ہے کہ بیج وہ لیا جائے جو مرنے والا نہ ہو اور جب اُگے تو برگ و بار لائے، نہ کہ کانٹے بکھیرے، دوسرے یہ کہ کاشت صحیح طریقوں سے کی جائے اور تیسرے یہ کہ "دہقان" کو یہ یقین ہو کہ جس زمین پر محنت صرف کر رہا ہوں۔ اس کے مالک کے ہاں میری محنت محفوظ رہے گی!

ہمارے سیاسی مایوسین اگر غور کریں۔ تو وہ ماضی کا جائزہ لینے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ کہ ان تین تقاضوں کو ملحوظ رکھے بغیر انہوں نے جانفشانیاں کی ہیں۔ چنانچہ آج وہ ایک ناخوشگوار صورت حالات سے دوچار ہیں۔

سیدھی بات یہ ہے۔ کہ اگر کسی فرد یا گروہ کی جانفشانیوں کا منتہا رضائے الٰہی کا حصول ہو تو تلخ سے تلخ صورت حالات بھی اسے بددل نہیں کر سکتی۔ اور وہ اپنی جدوجہد کو بحیثیت ایک ڈیوٹی کے سرانجام دینے میں کبھی کوتاہ کار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ مایوسی کا کوئی احساس اس کے اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ وہ مقصد ہے جس کی قدر و قیمت کبھی ضائع نہیں ہو سکتی۔ جس نے اعلائے کلمۃ اللہ پر کمرِ ہمت باندھ لی۔ اس کو نہ اس پر ضد کہ کوئی ملک ایک ہے اور نہ اسے اس سے چڑ ہے کہ وہ دو یا دو سے زائد ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسے نہ اس کی پروا کہ یہ چھٹی صدی ہجری کا دور ہے یا چودھویں صدی کا زمانہ ہے۔ جسے نہ اس سے گھبراہٹ کہ سر پر باہر کا امپریلزم مسلط ہے۔ یا گھر کے بتوں نے خداوندی جما لی ہے۔ اسے تو ہر حال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری پوری کرنی ہے۔ پھر اگر اس کی دعوت پھیل نکلے۔ تو بھی اسے اطمینان کہ اس کی مزد محفوظ ہے، اور اگر ساری دنیا ال

کر اسے رد کر دینے والے پھانسی پر لٹکا دے، تو بھی اسے اپنے مالک پر پورا بھروسہ کہ اس کا اجر اسے بہر حال مل کے رہیگا! اس کا ایمان اللہ تعالےٰ کے اس اعلان کی صداقت کی پے بہ پے گواہی دیتا ہے کہ:

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (پ ۱۱ ع ۴)

اللہ تعالیٰ بھلائی کی راہ اختیار کرنے والوں کی مزدوری کو ضائع نہیں جانے دیتا۔

اور:-

ان الذین یتلون کتٰب اللہ و اقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقنٰھم سرًّا و علانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور ○ لیوفیھم اجورھم و یزیدھم من فضلہ انہ غفور شکور ○ (پ ۲۲ ع ۱۶)

وہ لوگ جو کتاب الٰہی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں اور خفیہ و علانیہ اس رزق میں سے راہِ حق میں صرف کرتے ہیں جو ہم نے ان کو عطا کیا ہے اور اس سوداگری پر آس لگائے بیٹھے ہیں جو کبھی خسارے میں نہیں جا سکتی —— (سمجھ لو) کہ ان کو ان کے معاوضے کا پورے کے پورے دیے جائیں گے اور اللہ اپنے فضل سے اس میں اور بھی اضافہ کرے گا۔ بلاشبہ وہ (خطاؤں) کو معاف کرنے والا بھی ہے۔ اور (محنتوں کا) حق ادا کرنے والا بھی ہے!

پس ہمارے سیاسی مایوسین کو دلوں کی گہرائیوں کا جائزہ لے کر دیکھنا چاہیئے۔ کہ انہوں نے کیا فی الواقع اپنے لئے وہی کاروبار پسند کیا تھا جس میں خسارے کا کوئی امکان نہیں؟ —— اور کیا انہوں نے اپنا حساب اللہ کے بنک میں کھولا تھا جس کے دیوالیہ ہونے کا کوئی امکان نہیں؟ وہ اگر دیانتداری سے اپنے ضمیروں کے اندر تک غور کریں گے تو ان پر از خود یہ واضح ہو جائے گا کہ ان کی نگاہوں نے کاروبار کے انتخاب میں بھی اور اس کے طریق کار کے انتخاب میں بھی غلطی کی ہے۔ ان کا کاروبار سیاست بہر حال دنیوی مفادات سے متعلق رہا ہے۔ اور انہوں نے اپنا پورا حساب اللہ کے

بنک میں نہیں کھولا۔ بلکہ ایسے بنکوں میں اپنا زیادہ سرمایہ لگایا ہے جو دیوالیہ ہونے والے تھے اور وہ دیوالیہ ہو گئے۔

اب کیا ہو؟

اس سوال کے جواب میں صحیح مشورہ کسی خیر خواہ کی طرف سے اگر ہو سکتا ہے۔ تو صرف یہ ہے کہ ایک حوصلہ مند تاجر کی طرح جو ایک کاروبار میں ایک مرتبہ سرمایہ ڈبو دینے کے بعد ہمت ہار کے بیٹھ نہیں رہتا بلکہ بچی کھچی پونجی کو پھر سوچ سمجھ کر کسی یقینی نفع دینے والے کاروبار میں لگانے کی تدبیر کرتا ہے۔ آپ حضرات اپنے ضمیروں میں سے رہا سہا سرمایۂ عزم و اخلاص نچوڑیں اور اسے کسی منفعت بخش "کاروبار" میں لگا دیں۔ یقین جانئیے کہ ہمت ہار کر اپنی آزاد تجارت کی بساط لپیٹ دینے کے بعد آپ کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہوگا کہ آپ دوسروں کے ہاں "نوکر" بھرتی ہوں۔ اور جن سے کبھی آپ کو برابری کے دعوے تھے اور جن کے سامنے کبھی سینے تان کر آپ چلا پھرا کرتے تھے، ان کے جی حضوریوں اور دست نگروں کی صفوں میں کھڑے ہوں۔ اس ذلیل حالت میں مبتلا ہونے سے بہتر یہ ہے کہ آپ ایک خوانچہ ہی لگا بیٹھیں، لیکن وہ آپ کا اپنا آزاد کاروبار ہونا چاہیئے۔ کاروبار میں خدشۂ نقصان (RISK) بہر حال ہوتا ہے۔ اور اسے برداشت کرنے کے لئے جتنی مردانگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر چھوٹے سے چھوٹا کاروبار بھی نہیں چل نہیں سکتا۔ یہ خدشۂ نقصان (RISK) صرف وہ لوگ برداشت کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں اس خدشے کے مقابلے میں امیدِ منفعت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی تنو طی اور کوئی یاس زدہ شخص اپنے بل بوتے پر ایک روپے کا بھی کاروبار کر سکے!

آپ حضرات کا تو وہ حوصلہ تھا کہ آنکھیں بند کر کے متاعِ حیات ایک ایسے جوئے میں جھونک دی جس میں جیت کا امکان بہر حال پچاس فیصدی سے زیادہ نہ تھا۔ اور یا پھر اب یہ نامردی کہ اقامت دین کے یقینی نفع بخش کاروبار میں ایک کوڑی تک لگانے کا دل گردہ نہیں! ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا!

آپ حضرات کی یہ عجیب حالت ہے۔ کہ اگر آپ کو سرگرمیوں کے احیا، کی دعوت دی جاتی ہے کہ اُٹھیئے، امیدوں کے چراغوں میں تیل ڈالیئے اور آزمودہ راہوں سے بچ کر جن میں سے ہر ایک "سَوَآءَ السَّبِيلِ" کی تعریف آئی ہے، اس صراطِ مستقیم پر چل کھڑے ہو جیئے جس پر انبیاء اور صلحا کے نقوشِ قدم ثبت ہیں تو آپ دعوت دینے والوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں ——— جیسے ایک صاحبِ تجربہ بزرگ کسی ناتجربہ کار نوجوان کے خیالات کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ آپ گروہ لوگ احمق دکھائی دیتے ہیں جو آپ کے فاتح حریفوں سے اختلاف رکھتے ہوئے حق کے غلبے کے لئے منظم طریق سے سرگرم عمل ہیں۔ آپ خود کام کرنا چھوڑ چکے ہیں لیکن جو لوگ کام کرنے کی ہمت رکھتے ہیں انکو اپنے تجربات کی روشنی میں یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ تم بھی یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو، تمہارا انجام بھی اسی طرح قنوطیت ہوگا جس طرح ہمارا ہوا۔ — آپ کا مشورہ ساری دنیا کے لئے یہ ہے کہ کسی تبدیلی کی جدوجہد میں حصہ نہ لو۔ بلکہ کھاؤ، پیو، شادی بیاہ رچاؤ، بچے پیدا کرو۔ اور دنیا سے رخصت ہو جاؤ! — حالانکہ اس کے برعکس خود آپ کو اپنی ناکامی کے پس منظر میں اس کے وجوہ تلاش کرنے چاہئیں۔ اور از سرِ نو اپنے لئے ایک پائدار اصول اور ایک صحیح راہِ عمل کا انتخاب کر کے حرکت میں آنے کی صورتیں نکالنی چاہئیں!

براہِ کرم اپنے ذہن پر، اپنے طرزِ فکر پر اور اپنے مشوروں پر نظرِ ثانی کیجیے ——— دوسروں کے لئے نہیں اپنے فائدے کے لئے۔

اقامتِ دین کی جدوجہد جب آپ کے سامنے شروع ہوتی ہے۔ تو پھر اذانِ دعوتِ حق کی آواز کانوں میں پہنچنے کے بعد آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اُٹھیں اور لپک کے آئیں۔ اور ایک سپاہی کی طرح صفِ اول میں آ کھڑے ہوں۔ اور اللہ کے مطالبات کے مطابق ایک طرف گردن بندگی کو خم کریں اور دوسری طرف خیر و شر کی جنگاہ میں لوٹ ۔ ولوٹ کے ساتھ دادِ شجاعت دیتے ہوئے نظر آئیں۔ لیکن یہ تو ایک عجیب مرض ہے کہ اذان ہو یا جب آپ حق کی پکار سُن کر حالات کو رونا رونے بیٹھ جائیں۔ حق کی کامیابی کے عدمِ امکان پر دلائل دینا شروع کر دیں۔ اور کسی طرح ٹس سے مس نہ ہوں!

یہ حقیقت بہرحال آپ کو بتانی چاہیئے کہ:۔

من اراد الاخرۃ وسعی	جس کسی نے انجامِ کار کی (بہتری) کا قصد کیا۔
لہا سعیہا وھو مومن	اور اس کیلئے اس کے تقاضوں کے مطابق دوڑ
فاولئک کان سعیہم	دھوپ کی بشرطیکہ وہ مومن ہو۔ تو ایسے لوگوں کی
مشکورا (پ ۱۵ ع ۲)	جانفشانیوں کا حق ادا کیا جائے گا

یہ وعدہ صرف اُس انجامِ کار ہی سے متعلق نہیں ہے، جو زندگی لاہوت میں پیش آنیوالا ہے، بلکہ عین اس مادی دنیا کی زندگی سے بھی اس کا تعلق ہے۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر واضح کیا گیا:

من عمل صالحا من ذکر	مردوں اور عورتوں میں سے جو کوئی عمل صالح کا پابند
او انثی وھو مومن	ہوا، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو اسے یقیناً ہم وہ زندگی
فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ	نصیب کرینگے جو حیات طیبہ ہو۔ اور ایسے لوگوں
ولنجزینہم اجرہم باحسن ما	کے حق میں حساب ہم لازماً چکائیں گے ان اچھے
کانوا یعملون ۰	اعمال کے تحت جو انہوں نے سرانجام دیئے۔

یہ ضابطہ جہاں افراد کے لئے ہے، وہاں گروہوں کے لئے بھی ہے۔ کوئی فرد یا جماعت جس نے اعلائے کلمۃ اللہ کو زندگی کی جدوجہد کا محور بنایا ہو جس نے رضائے الٰہی کے حصول کو منتہائے نظر بنایا ہو، اور جس نے اپنی سعی و جہد کو مقصدِ حق کے تقاضوں کے مطابق صحیح حدود کا پابند رکھا ہو اس کے لئے دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت میں بھی۔ اس کی حیات بہرحال طیب ہوتی ہے اس کا قلب ہمیشہ مطمئن ہوتا ہے، اس کی رُوح ہمیشہ پُرامید ہوتی ہے —— اور کوئی سخت سے کٹھن منزل ایسی نہیں، جہاں اسے نامرادی اور مایوسی اور قنوطیت کا سامنا کرنا پڑے۔ جس فرد اور جس جماعت نے اطمینان کھو دیا، یقیناً اس نے جوہر ضائع کر دیا۔ امید کی روشنی گم کر دی۔ اسے بہرحال یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے حصول مقصد کے طریقِ کار میں بنیادی کمزوریاں تھیں! اگر ہمارے سیاسی مایوسین کو یہ حقیقت محسوس ہو جائے۔ تو اب بھی پانسہ پلٹ سکتا ہے

ہماری ملت کا دوسرا بڑا قنوطی عنصر وہ ہے۔ جو محض اپنے تھڑدلے پن کی وجہ سے بار بار دل شکستہ ہوتا ہے۔ یہ عنصر خدا اور اس کے نبی اور دینِ برحق سے وابستگی رکھتا ہے اور نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا دین اس کے ملک پر غالب ہو۔ اقامتِ دین کے لئے دعائیں بھی کرتا ہے حق کیلئے جدوجہد کرنیوالوں . . . . اور اس جدوجہد میں مصیبتوں کا سامنا کرنیوالوں سے ہمدردی بھی رکھتا ہے۔ لیکن بہرحال چونکہ اس عنصر پہ مایوسی کے دَورے پے بہ پے پڑتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے اس عنصر کی قوتیں تحریکِ حق کے کام نہیں آسکتیں۔ لہٰذا اس کی قنوطیت عوام کو بزدل بناتی ہے۔

ان تھڑدلے پن کے مریضوں کی تین حالتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کا بیان اشاعت آئندہ میں الگ الگ کیا جا رہا ہے۔

(باقی آئندہ)